مسلمان اور الیکشن

خالد سیف اللہ رحمانی

موجودہ دور میں جمہوری نظام پوری دنیا میں ایک آئیڈیل نظام کی حیثیت سے مروج ہو چکا ہے، جمہوریت عوام کے ذریعہ عوام کی عوام پر حکومت سے عبارت ہے، اس نظام میں بعض خوبیاں بھی ہیں اور خامیاں بھی اور اگر اسلامی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے، تو اس میں بعض باتیں اسلام سے ہم آہنگ ہیں اور بعض باتیں اسلام کے مزاج سے مختلف بھی ہیں، خوبی یہ ہے کہ ایک شخص پوری قوم کو غلام نہیں بنا سکتا اور لوگوں کی رضامندی کے بغیر ان پر اپنے اقتدار کو نہیں تھوپ سکتا، خامی یہ ہے کہ جمہوریت میں مقدار کو معیار پر ترجیح حاصل ہوتی ہے اور صلاحیت کے بجائے تعداد پر فیصلے کئے جاتے ہیں۔

اسلام سے اس نظام کی ہم آہنگی یہ ہے کہ اسلام میں حکومت کا جو آئیڈیل تصور ہے، وہ خلافت ہے، خلیفہ لوگوں کے انتخاب سے حکومت پر فائز ہوتا ہے اور لوگوں کے مشورہ سے حکومت چلاتا ہے، جمہوریت میں بھی حکمراں کو عوام منتخب کرتی ہے اور وہ عوامی نمائندوں کے مشورہ سے ہی حکومت کی ذمہ داریاں انجام دیتا ہے؛ لیکن مختلف اُمور میں مروجہ جمہوری نظام اسلامی تعلیمات سے مختلف ہے :

(الف) موجودہ مغربی جمہوریت میں قانون کا سرچشمہ انسان ہے اور ملک کی پارلیمنٹ حلال وحرام کے فیصلے کرسکتی ہے، جب کہ اسلام میں قانون کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور حلال وحرام کی کلید اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے ''إن **الحكم إلا لله**''۔(یوسف:۴۰)

(ب) اس انتخابی نظام میں اپنے آپ کو اُمیدوار کی حیثیت سے پیش کرنا اور عوام سے اپنے حق میں ووٹ مانگنا پڑتا ہے؛ حالاں کہ اسلام میں کسی عہدہ کے طلب کرنے کو ناپسند کیا گیا ہے؛ چنانچہ عبدالرحمٰن بن سمرہ سے مروی ہے :

> **قال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم : يا عبد الرحمن ! لا تسأل الإمارة ، فإنك إن أعطيتها عن مسئلة ، وكلت إليها وإن أعطيتها عن غير مسئلة أعنت عليها .** (۱)

(۱) أحكام القرآن للقرطبی:۲۱۶/۹۔

(ج) پارلیمنٹ بعض ایسے قوانین بناتی ہے یا سیاسی جماعتیں اپنے منشور میں بعض ایسی باتوں کو شامل رکھتی ہیں، جو مکمل طور پر اسلامی تعلیمات کے مغائر ہیں، مثلاً ہم جنسی کے نکاح کی اجازت وغیرہ، جب کوئی مسلمان پارلیمنٹ یا سیاسی جماعت کا حصہ ہوتا ہے، یا اس کو منتخب کرنے میں اپنے ووٹ کے ذریعے مدد پہنچاتا ہے، تو گویا وہ بھی اس میں شریک ہوتا ہے۔

(د) اگر کوئی مسلمان الیکشن میں منتخب ہو جائے، تو اسے ملک کے دستور سے وفاداری کا حلف اٹھانا پڑتا ہے؛ حالاں کہ اس میں بہت سی باتیں اسلامی تعلیمات کے مغائر ہوتی ہیں، ایک طرف دینی نقطۂ نظر سے یہ دشواریاں ہیں اور دوسری طرف مسلمانوں کے الیکشن میں حصہ لینے فائدہ یہ ہے کہ سیاسی جماعتوں پر اور حکومتوں پر دباؤ قائم رکھا جاسکتا ہے، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اگر کوئی فیصلہ ہو، تو اسے روکنے کی کوشش کی جاسکتی ہے اور جمہوری نظام میں ایسے گروہ کو خاص اہمیت حاصل ہوتی ہے، جو ووٹ کی قوت رکھتا ہو، چنانچہ جن جمہوری ممالک میں مسلمانوں کی قابل لحاظ آبادی ہے، وہاں بہت سے مسائل میں حکومت کو مسلمانوں کے موقف کو قبول کرنا ہوتا ہے؛ بلکہ بعض ممالک میں تو مسلمانوں کو شخصی زندگی سے متعلق قوانین کو جتنا تحفظ حاصل ہے، بہت سے مسلم ممالک میں بھی اس درجہ کا تحفظ حاصل نہیں ہے؛ اس لئے یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر مسلمان اپنے آپ کو سیاسی انتخابات سے الگ تھلگ کرلیں، تو وہ بہ حیثیت ایک قوم اپنی مصالح کا تحفظ نہیں کرسکیں گے۔

ایسے مواقع پر شریعت کا بنیادی نقطۂ نظر یہ ہے کہ زیادہ درجہ کے مفسدہ سے بچنے کے لئے کم تر درجہ کے مفسدہ کو قبول کرلیا جائے، فقہاء نے اسے مختلف الفاظ میں تعبیر کیا ہے، جن میں سے چند یہ ہیں :

إذا تعارضت مفسدتان ، روعی أعظمهما ضرراً بارتكاب أخفهما .

جب دو مفاسد کا تعارض ہو، تو چھوٹے ضرر کا ارتکاب کرتے ہوئے بڑے ضرر سے بچنے کو ملحوظ رکھا جائے گا۔

الضرر الأشد يزال بالضرر الأخف .

کم تر نقصان کے ذریعے بڑے درجہ کے نقصان کو دور کیا جائے گا۔

يختار أهون الشرين .

دو شر میں سے کم تر کو گوارا کیا جائے گا۔

يحتمل الضرر الخاص لمنع الضرر العام .

اجتماعی نقصان کو دور کرنے کے لئے انفرادی نقصان کو گوارا کیا جائے گا۔

چنانچہ علامہ ابن تیمیہؒ اس قاعدہ پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

إذا تعارضت المصالح والمفاسد والحسنات والسيئات أو تزاحمت ،

فإنه يجب ترجيح الراجح منها فيما إذا ازدحمت المصالح والمفاسد وتعارضت المصالح والمفاسد ، فإن الأمر والنهى وإن كان متضمنا لتحصيل مصلحة ودفع مفسدة ، فينظر فى العارض له ، فإن كان الذى يفوت من المصالح أو يحصل من المفاسد أكثر ، لم يكن مامورا به ، بل يكون محرما إذا كانت مفسدته أكثر من مصلحته . (۱)

جب مصالح ومفاسد، خوبیوں اور خامیوں میں تعارض اور ٹکراؤ ہوجائے، تو ضروری ہے کہ ترجیح سے کام لیا جائے؛ اس لئے کہ امر اور نہی اگر چہ کہ کسی مصلحت کے حاصل کرنے اور کسی مفسدہ کو دور کرنے کو ہی شامل ہوتا ہے؛ لیکن اس کے ساتھ جو عارض سامنے آرہا ہے، اس پر غور کیا جائے، چنانچہ اگر فوت ہونے والی مصلحتیں اور پیدا ہونے والے مفاسد زیادہ ہوں، تو وہ مامور بہ نہیں ہوں گے؛ بلکہ حرام ہوں گے، بشرطیکہ اس کا مفسدہ مصلحت سے زیادہ ہو۔

اسی قاعدہ سے استشہاد کرتے ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے ایک واقعہ کو پیش کرتے ہوئے علامہ صلاح الدین علائی نے لکھا ہے کہ اس قاعدہ کی اصل صلح حدیبیہ ہے، جو بظاہر مسلمانوں کے خلاف تھی؛ اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس پر اشکال بھی ہوا؛ لیکن آپ ﷺ نے اسے قبول کرلیا؛ کیوں کہ مکہ میں ایسے لوگوں کی اچھی خاصی تعداد تھی، جو اپنے اسلام کو چھپائے ہوئے تھے، اگر جنگ ہوتی، تو یہ لوگ بھی مارے جاتے، جو یقیناً بڑے مضرت کی بات ہوتی (۲) —— دوسری قابل لحاظ بات یہ ہے کہ حالت اختیار اور حالت مجبوری کے احکام یکساں نہیں ہوتے ہیں؛ جیسا کہ فقہاء کا مشہور قاعدہ ہے ''**الضرورات تبيح المحظورات**'' امام شافعیؒ نے اسی قاعدہ کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے :

يجوز فى الضرورة مالا يجوز فى غيرها . (۳)

ظاہر ہے مسلمان اپنے ملک میں بڑی حد تک حالت اختیار میں ہوتے ہیں اور جہاں اقلیت میں ہوں، وہاں اس درجہ اختیار کے حامل نہیں ہوتے ہیں؛ اس لئے اگر ایسے علاقہ میں وہ بعض احکام شرعیہ پر عمل کرنے سے معذور ہوں، تو وہ اس کے بارے میں جواب دِہ نہیں ہیں۔

---

(۱) مجموع الفتاوىٰ شيخ الاسلام:۱۲۹/۲۸۔

(۲) دیکھئے:المجموع المهذب فى قواعد المذهب:۳۸،الوجه الاول .

(۳) الأم:۱۶۸/۴، تفريع فرض الجهاد .

پس ان دونوں اُصولوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مسلمانوں کے لئے جمہوری ممالک میں انتخاب میں حصہ لینا نہ صرف جائز ہے؛ بلکہ ممکن ہے کہ بعض حالات میں یہ ان پر واجب قرار پائے، اس سلسلے میں ایک نظیر اللہ کے پیغمبر حضرت یوسف علیہ السلام کے حیاتِ طیبہ میں بھی ملتی ہے۔

حضرت یوسف نے عزیز مصر سے مطالبہ کیا تھا کہ مصر کی وزارتِ خزانہ ان کے حوالے کردی جائے ''قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْأَرْضِ ''(یوسف:۵۵) بعض علماء ہند کی رائے ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا مطالبہ حکومت کے ایک شعبہ کی ذمہ داری کا نہیں تھا؛ بلکہ پوری حکومت کا تھا؛ لیکن یہ بات صحیح نظر نہیں آتی، قرآن کے الفاظ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ مصر کی وزارتِ مالیات کا مطالبہ تھا، چنانچہ علامہ ابن جریر طبری فرماتے ہیں :

قال يوسف للملك : اجعلني على خزائن أرضه . (۱)

حضرت یوسف نے بادشاہ سے کہا کہ مجھے اپنے ملک کے خزانہ کا ذمہ دار بنادو۔

علامہ فخر الدین رازیؒ کا بیان ہے :

اجعلني على خزائن الأرض اى على خزائن أرض مصر . (۲)

یعنی سرزمین مصر کی مالیات پر مجھے ذمہ دار مقرر کردو۔

نیز ابن کثیر لکھتے ہیں :

إنما سأله أن يجعله على خزائن الأرض . (۳)

حضرت یوسف نے ان سے مطالبہ کیا کہ ان کو ملک کے خزانہ پر ذمہ دار مقرر کردیا جائے۔

مفسر ابوسعود عمادی نے مزید وضاحت سے لکھا ہے :

أي : ولني أمرها من الإيراد والصرف . (۴)

یعنی مجھے مالیات کی آمد وصرف پر ذمہ دار بنادو۔

اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان کسی غیر مسلم حکومت میں نظم ونسق کا حصہ بن سکتے ہیں، گو اس کے تمام قوانین شریعت کے مطابق نہ ہوں، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت یوسف کو بن یامین کو روکنے کے لئے پیالہ اس کے سامان

(۱) تفسیر طبری:۳۷۷/۴۔

(۲) مفاتی الغیب:۸۵/۹۔

(۳) تفسیر القرآن العظیم:۴۷۳/۳۔

(۴) تفسیر ابی السعود:۲۸۶/۳۔

میں ڈالنا پڑا؛ کیوں کہ حکومتِ مصر کا یہی قانون تھا اور بظاہر یہ اس وقت کی شریعتِ الٰہی کا قانون نہیں تھا؛ چنانچہ اسی پس منظر میں علامہ قرطبی نے بعض اہل علم کا موقف اس طرح نقل کیا ہے :

قال بعض أهل العلم : فی هذه الآية ما يبيح للرجل الفاضل أن يعمل للرجل الفاجر والسلطان الكافر بشرط أن يعلم أنه يفوض إليه فی فعل لا يعارضه فيه ، فيصلح منه ما شاء وأما إذا كان عمله بحسب اختيار الفاجر وشهواته وفجوره ، فلا يجوز ذلک . (۱)

بعض اہل علم نے کہا ہے کہ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ بہتر آدمی برے آدمی اور کافر حکمراں کے لئے کام کرسکتا ہے، بشرطیکہ اسے معلوم ہوا کہ جو کام اسے سپرد کیا جارہا ہے، اس میں وہ کافر حکمراں اس کے معارض نہیں ہوگا کہ وہ اس طرح کا جو کام چاہے کرسکتا ہے اور اگر اس کا عمل فاجر و فاسق شخص کے اختیار، اس کی خواہشات اور برائیوں کے مطابق انجام دینا پڑے، تو یہ اس کے لئے جائز نہیں۔

خلاصۂ بحث

۱- جمہوری ممالک میں مسلمانوں کا انتخابی عمل میں شریک ہونا خواہ خود اُمیدوار بن کر ہو یا کسی اُمیدوار کے حق میں ووٹ دے کر جائز ہے۔

۲- چوں کہ انتخاب میں مؤثر ہونے کے لئے بعض اوقات کسی سیاسی جماعت میں شرکت کی ضرورت پڑتی ہے؛ اس لئے ''**إذا ثبت الشئ ثبت بلوازمه**'' کے تحت یہ عمل بھی جائز ہوگا۔

۳- کسی اُمیدوار یا سیاسی جماعت کی تائید کے سلسلے میں اہون البلیتین کو اختیار کیا جائے گا، اگر کسی سیاسی جماعت کے منشور میں اسلام اور مسلمانوں کے مفاد کے خلاف کوئی بات نہ ہو اور دوسری جماعت کے منشور میں ایسی بات ہو، تو پہلی جماعت قابل ترجیح ہوگی، اگر دونوں جماعتوں کے منشور میں خلافِ اسلام باتیں موجود ہوں، تو نسبتاً کم ضرر رساں جماعت یا اُمیدوار کو ووٹ دیا جائے گا اور اگر ایک سے زیادہ سیاسی جماعتیں اپنے عزائم اور گذشتہ ریکارڈ کے اعتبار سے یکساں حیثیت کی حامل ہوں، تو اُمیدوار کے بہتر اور غیر بہتر یا کم اور زیادہ بہتر ہونے کے اعتبار سے فیصلہ کیا جائے گا۔

---

(۱) أحكام القرآن للقرطبی:۲۱۵/۹۔

۴- اگر مسلمان نمائندے سیاسی پارٹی یا مجلس قانون ساز میں فیصلہ پر اثر انداز ہونے کے موقف میں نہ ہوں، تب بھی مسلمان نمائندوں پر یہ بات واجب ہوگی کہ وہ ایسے فیصلوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کریں اور قانون کے دائرہ میں رہتے ہوئے اس کی مخالفت کریں، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

من رأی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ ، فإن لم یستطع فبلسانہ وإن لم یستطع فبقلبہ .

تم میں سے جو شخص کسی برائی کو دیکھے، تو اسے بزور طاقت روکے، اگر اتنی طاقت نہ ہو، تو زبان سے روکے اور اتنی بھی نہ ہو تو دل سے (یعنی دل سے برا سمجھے اور بوقت قدرت اس کے روکنے کا عزم رکھے)۔

○ ○ ○